نبی اکرم ﷺ کا انصار مدینہ سے خطاب

ڈاکٹر محمود الحسن عارف☆

دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے جن برگزیدہ بندوں کو منصب رسالت و نبوت کی ادائیگی کے لئے منتخب فرماتے ہیں، انہیں عام انسانوں کے مقابلے میں بہت سی خصوصی صلاحیتیں اور اہلیتیں بھی عطا کی جاتی ہیں۔ ان کا فہم و شعور عام انسانوں کے مقابلے میں بہت اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے، ان کے حواس خمسہ، نیند کی حالت میں بھی بدستور کام کرتے ہیں،

تنام عينه ولا ينام قلبه (۱)

آپ کی آنکھیں سوتی ہیں مگر دل جاگتا ہے۔

اسی طرح انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطابت کے بھی اعلیٰ ترین اوصاف سے نوازا جاتا ہے۔

چونکہ پیغمبر کا بنیادی فریضہ ابلاغ ہے۔ (۲) اور ابلاغ کے لئے خطابت کا ہونا بے حد ضروری ہے، اسی لئے قریب قریب ہر نبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قوم کی زبان کے ساتھ خطابت کی صلاحیتوں سے بہرہ ور فرما کر مبعوث فرمایا گیا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت سے نوازا، اور انہیں فرعون کے دربار میں تبلیغ و دعوت پیش کرنے کا حکم ملا تو انہوں نے اس بنا پر کہ ان کی زبان میں لکنت ہے اور وہ پوری فصاحت کے ساتھ گفتگو نہیں کر سکتے، بارگاہ رب العزت میں یہ درخواست کی کہ ان کے ہمراہ ان کے بڑے بھائی حضرت ہارون کو بھی منصب نبوت سے نوازا جائے۔ (۳) چنانچہ یہ درخواست قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون کو بھی خلعت نبوت عطا فرما دی۔ (۴) دنیا کی تاریخ میں کسی نبی کی دعا سے عطا ہونے والی نبوت و رسالت کی اپنی نوعیت کی یہ واحد مثال ہے۔ جس سے انبیاء

☆صدر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

علیہم السلام کے لئے خطابت کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں خطابت انسانوں کے اعلیٰ ترین اوصاف و کمالات سے تعلق رکھتی ہے اور چونکہ انبیا علیہم السلام اعلیٰ ترین انسانی اوصاف و کمالات کا مظہر اتم ہوتے ہیں۔ اس لئے بھی خطابت کے اوصاف کا ان کے منصب سے گہرا تعلق ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تو ایک طرف تمام نبیوں کی سردار اور ان کے خاتم کی حیثیت رکھتی ہے تو دوسری طرف دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑا اور سب سے پائیدار انقلاب بپا کرنے کی بنا پر، اپنوں کے ہاں ہی نہیں، بلکہ ساری انسانی تاریخ میں بڑی عظمت و انفرادیت کی حامل ہے، سچ تو یہ ہے کہ انسانی ذہن آپ کی عظمت و رفعت کا بھلا کیسے اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ O (۵)

اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔

ذکر کا بلند ہونا آپ کے منصب کی بلندی اور عظمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی سورۃ کی ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک اور نعمت کا ذکر ہوا۔ وہ نعمت شرح صدر یعنی سینہ مبارک کے کھولنے کی ہے۔ فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ O (۶)

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

شرح صدر یعنی سینہ مبارک کا کھول دیا جانا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بہت بڑی نعمت کا نزول ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ سینہ مبارک کھول دیئے جانے سے مراد باطنی طور پر علوم الٰہیہ کی فراوانی اور ظاہری طور پر زبان و بیان کی ان تمام صفات اور خصوصیات سے بہرہ مند کیا جانا ہے جو اپنا کلام بہترین اور عمدہ ترین انداز میں دوسروں کو پیش کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ (۷) اور لطف کی بات ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ وہ انعام ہے جو اُس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بن مانگے اور پیدائشی طور پر عطا فرمایا۔ جب کہ یہی نعمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے سینہ مبارک کھولنے کی دعا کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ (۸)

قرآن مجید میں متعدد انبیا کی خطابت کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت عیسیٰؑ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان انبیا کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ترین خطابت کے اوصاف سے نوازا اور انہوں نے اپنی دعوت و تبلیغ پیش کرنے کے لیے اس انسانی ملکے کا موزوں اور صحیح استعمال کیا۔

سلسلہ نبوت کی آخری کڑی کے طور پر سید الرسل حضرت محمد ﷺ تشریف لائے، جن پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کا بابرکت سلسلہ ختم فرما دیا اور اپنے اس عظیم منصب کے مطابق آپ کو اپنی دعوت و نبوت کی تبلیغ کے لیے جن بنیادی لوازم کی ضرورت تھی وہ قدرت نے آپ ﷺ کو خصوصی طور پر مہیا فرما دیے۔ آپ کا پیدائشی تعلق عرب کے سب سے معزز قبیلے قریش سے تھا، جنہوں نے بڑے بڑے خطیب و شاعر پیدا کیے، پھر آپ ﷺ کا اپنا خاندان بنو ہاشم بھی خطابت کے میدان میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب (۹) اور پر دادا جناب ہاشم (۱۰) کی فصاحت و بلاغت کا غلغلہ غیر ملکی درباروں میں بھی بلند ہوتا رہا، اسی طرح مختلف موقعوں پر قریش مکہ کے سامنے انہوں نے جو خطبات ارشاد فرمائے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے عرب کے دوسرے بڑے اور طاقتور قبیلے بنو ہوازن کی ایک شاخ بنو سعد میں اپنی رضاعت کے ایام بسر فرمائے تھے اور اس خاندان کی ایک معزز خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا، یہ خاندان بھی اپنی فصاحت و بلاغت، شاعری اور زور بیانی میں پورے عرب میں مشہور تھا اور اس خاندان نے کئی بڑے بڑے شاعر اور خطیب پیدا کیے تھے۔ (۱۱) پھر بچپن کے دنوں میں اس کھلی اور پر فضا آب و ہوا میں نشو و نما پانے کا بھی آپ کی طبیعت پر اثر پڑا تھا، چنانچہ آپ نے ان دونوں خاندانوں کی خصوصیات کو اس طرح اپنے اندر جمع کیا اور اس خوبصورت انداز سے ان کا اظہار فرمایا کہ اس سے بہتر ان کا اظہار ممکن نہ تھا، چنانچہ ایک موقع پر جب حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آپ سے زیادہ فصیح البیان شخص نہیں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ میں عرب کا سب سے زیادہ فصیح البیان شخص ہوں، کیونکہ میں نے قریش کے ہاں جنم لیا اور بنو سعد میں دودھ پیا ہے۔ (۱۲) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے دوسرے انبیا علیہم السلام پر چھ باتوں کے ذریعے ممتاز کیا ہے، ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے ہیں۔ (۱۳) دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

اذا کان یوم القیامۃ کنت امام النبیین و خطیبھم (۱۴)

جب قیامت کا دن ہوگا تو میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب ہوں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے جواہر آپ کے تمام خطبات میں اسی پورے کمال پر نظر آتے ہیں، آپ ﷺ کے بروقت اور موزوں خطبات نے عرب کے بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں کو اتنا متاثر کیا کہ وہ مسلمان ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اعلان نبوت کے وقت کوہ صفا پر کھڑے ہوکر جو خطبہ دیا تھا، اس نے آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کا سکہ پورے عرب میں بٹھا دیا تھا، اور اس مجلس میں موجود مختلف خاندانوں کے لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے۔ کفار مکہ نے لوگوں کو آپ ﷺ کے خطبات سننے سے منع کرنے کے لئے آپ کے بارے میں یہ مشہور کر رکھا تھا کہ آپ العیاذ باللہ جادوگر ہیں۔(۱۵) اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی زبان سے جو کلمات مبارک نکلتے تھے، وہ دلوں پر فوری اثر دکھاتے تھے اور سننے والا ان کا اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور اکثر اوقات آپ ﷺ کے خطبات سن کر لوگ فوراً مسلمان ہو جاتے: چنانچہ کفار مکہ کہا کرتے تھے:

آپ ﷺ ایسا جادو پڑھتے ہیں جو بیٹے کو اس کے ماں باپ سے جدا کر دیتا ہے

اور ماں باپ کو اولاد سے بیگانہ بنا دیتا ہے۔

لیکن دشمنوں کی اس ساری کوششوں کے باوجود بالآخر وہ دن بھی آیا جب آپ کو جادوگر کہنے والے بذات خود اسی جادو کا شکار ہوئے اور آپ کی فصاحت و بلاغت اور بے مثل خطابت نے ان کے دلوں کی بھی کایا پلٹ کر رکھ دی۔

خطبۂ انصار کا پس منظر:

یوں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیبانہ اوصاف آپ ﷺ کی ہر گفتگو اور آپ کے ہر کلام میں ظاہر ہوئے ہیں۔تاہم اس کا سب سے عمدہ مظہر خطبۂ حجۃ الوداع کے بعد آپ کا انصار سے خطاب (خطبۂ انصار) ہے۔

انصار مدینہ نبی اکرم ﷺ کے ان جانثاروں کا نام ہے، جنہوں نے ہجرت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ ﷺ کے جانثاروں کو اپنے ہاں مدینہ منورہ میں پناہ دی تھی۔(۱۶) سچی بات یہ ہے کہ اسلام پر ان لوگوں کا احسان قیامت تک یاد رکھنے کے لائق ہے، اور دنیا کا کوئی مسلمان

not

بھی ان کے اس احسان کا تذکرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان لوگوں نے قربانی اور ایثار کی جو اعلیٰ ترین مثال قائم کی، اس کی بنا پر تاریخ ان کا تذکرہ ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ کرتی رہے گی۔ ان کے لئے یہ بات بھی کافی تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں آنے اور رہنے کی اجازت دی تھی، لیکن انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر طرح جان و مال کا ایثار بھی کیا، حتی کہ بعض صحابہ نے مہاجرین کو یہ بھی پیش کش کی کہ ”میرے گھر میں دو بیویاں ہیں، میں ایک کو طلاق دیتا ہوں، تم اس سے نکاح کرلو اور میں یہ جائداد آدھی آدھی اپنے اور تم میں تقسیم کرتا ہوں“۔ (۱۷) ایثار اور قربانی کا اس سے بڑھ کر مظاہرہ ممکن نہ تھا۔

بنو ہوازن سے مسلمانوں کی جنگ، جو غزوۂ حنین کہلاتی ہے، تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ عرب کا دوسرا بڑا طاقتور قبیلہ تھا، جو اسلام کا سخت مخالف تھا۔ ان کی اسلام دشمنی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف سے بخوبی واضح ہوتی ہے، چنانچہ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ قریش مکہ اور ان کے حلیف قبیلے اسلام کے سامنے سرنگوں ہوگئے ہیں، تو انہوں نے اسلام کی طاقت کو چیلنج کیا اور مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔

حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ یہ ذوالمجاز عرب کے مشہور بازار کے قریب ہے، جو عرفہ سے تین میل کے فاصلے پر لگتا تھا۔ اس جنگ کا پس منظر یہ تھا کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو بنو ہوازن اور ثقیف پر الٹا اثر ہوا۔ یہ دونوں قبیلے بڑے جنگجو اور فنون حرب سے واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے فتح مکہ سے یہ سمجھا کہ شاید اب ان کی باری آنے والی ہے، لہٰذا انہوں نے از خود مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کا پروگرام بنالیا۔

اس جنگ میں فوج کا سردار حارث بن عوف تھا، جو قبیلۂ ہوازن کا رئیس اعظم تھا، لیکن اس نے مشیر کے طور پر درید بن الصمہ کو جو عرب کا مشہور شاعر تھا، اپنے ہمراہ لیا، جو اس وقت معمر ہو چکا تھا اور اسے چارپائی پر ڈال کر لایا گیا تھا، حارث نے اس موقع پر حماقت یہ کی کہ اس نے حکم دیا کہ تمام قبیلے والے اپنے بیوی بچوں اور اپنے ریوڑوں کو بھی ہمراہ لے لیں۔ اس کا خیال تھا کہ لوگ ان کی بنا پر زیادہ جوش اور ہمت سے ساتھ لڑیں گے، مگر معاملے اس کے برعکس ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے بھی مجاہدین کو تیاری کا حکم دیا۔ چنانچہ دو ہزار نئے رضا کاروں کے ہمراہ مسلم فوج بارہ ہزار کی تعداد میں معرکہ کارزار کی طرف بڑھی۔ پہلے حملے میں اگرچہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دوبارہ صف

بستہ کیا اور مسلم فوج نے جم کر حملہ کیا تو دشمن کو راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔(۱۸)۔

اس جنگ میں اسیران جنگ کی تعداد چھ ہزار تھی۔جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت شیماء بھی شامل تھیں،ان کے علاوہ چوبیس ہزار اونٹ،چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی بھی ہاتھ آئے۔(۱۹)

مال غنیمت کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ پہلا معرکہ تھا جس میں اتنی بڑی مقدار میں مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اور وہ بھی اتنے آسان طریقے سے کہ اس کے لئے کوئی اضافی محنت نہ کرنا پڑی تھی۔اس طرح یہ مال مال غنیمت کے بجائے مال فے بن گیا تھا۔جس کی تقسیم میں حاکم اعلیٰ کو اختیار دیا گیا ہے،مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو شاید بعض انصار مدینہ نے اپنے دل میں یہ امید قائم کر رکھی تھی کہ اس موقع پر ان کے احسان کا بدلہ چکایا جائے گا اور ان کی قربانیوں کا صلہ انہیں ملے گا۔لیکن اسلام کی نظریں چونکہ وقتی اور سطحی نوعیت کے مقاصد پر نہیں تھیں،اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس موقع کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا ایک اہم ذریعہ بنایا اور تالیف قلوب کے لئے ایسے لوگوں کو زیادہ مال غنیمت عطا فرمایا جو تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے اور جن کا تعلق قریش مکہ اور دوسرے قبائل سے تھا،اس موقع پر مال غنیمت کی تقسیم میں جن لوگوں کو بطور خاص زیادہ حصہ دیا گیا،ان کی تفصیل یہ ہے:

ابوسفیان مع اولاد	۳۰۰/اونٹ،۱۲۰/اوقیہ چاندی
حکیم بن حزام	۲۰۰/اونٹ
نضیر بن حارث بن کلدہ ثقفی	۱۰۰/اونٹ
صفوان بن امیہ	۱۰۰/اونٹ
قیس بن عدی	۱۰۰/اونٹ
سہیل بن عمرو	۱۰۰/اونٹ
حویطب بن عبدالعزیٰ	۱۰۰/اونٹ
اقرع بن حابس	۱۰۰/اونٹ
عیینہ بن حصن فزاری	۱۰۰/اونٹ
مالک بن عوف (نصری)	۱۰۰/اونٹ

اس کے علاوہ بہت سے لوگوں کو ۵۰،۵۰ اونٹ دیئے گئے،جن میں مخرمہ بن نوفل الزہری، عمیر بن وہب الجمحی اور ہشام بن عمرو وغیرہ شامل تھے۔(۲۱) اس موقع پر انصار کو مال غنیمت میں سے حصہ

نہیں دیا گیا، یہ صورت حال دیکھ کر انصار اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور کچھ لوگوں کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے، جو اسلام کی روح سے مطابقت نہ رکھتے تھے، انہوں نے کہا: آخر آپ ﷺ اپنی ہی قوم سے مل گئے ہیں۔(۲۲)

معروف سیرت نگار ابن ہشام نے ابن اسحاق کی روایت سے لکھا ہے کہ اس موقع پر سردار انصار حضرت سعدؓ بن عبادہ آپ ﷺ کے پاس اپنی قوم کی شکایت لے کر آئے اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا قبیلہ انصار مال غنیمت میں نظر انداز کئے جانے کی بنا پر اپنے دلوں میں کچھ شکایت رکھتا ہے کہ آپ نے انہیں اپنی قوم کے لوگوں اور دوسرے قبیلوں کے سرداروں میں مال غنیمت تقسیم کردیا ہے، مگر انصار کو کچھ نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ اے سعد تمہارا اپنا کیا خیال ہے انہوں نے کہا کہ میں بھی اپنے قبیلے کا ہی ایک فرد ہوں، آپ ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا کہ تمام لوگوں کو ایک خیمے میں جمع کرلو، چنانچہ حضرت سعدؓ نے تمام انصار مدینہ کو ایک جگہ اکٹھا کرلیا، چند مہاجرین بھی وہاں آگئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ہوئی تو آپ تشریف لائے، آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

> **یا معشر الانصار! ماقالة بلغتني عنكم وجدة وجدتموها علي في انفسكم؟ الم اتكم ضلالاً فهداكم الله وعالة فاغناكم الله واعداء فالف الله بين قلوبكم؟**
>
> اے گروہ انصار! تمہاری طرف سے مجھے یہ کیا بات پہنچی ہے کہ تمہیں میری طرف سے کوئی شکایت ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے، اللہ نے تم کو ہدایت کی، تم مفلس تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنا عطا فرمائی، اور تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا،

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور انصار ہر فقرے پر کہتے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔

یہ تو انصار کی گردنوں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہونے والے انعامات کی تفصیل تھی، جب کہ انصار مدینہ کے بعض افراد یہ گمان کرتے تھے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے کر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس موقع پر اس کا ذکر ضروری تھا۔ چنانچہ فرمایا:

الاتجیبونی یا معشر الانصار! قالوا بما ذانجیبک یا رسول اللہ، للہ ولرسولہ المن والفضل، قال صلی اللہ علیہ وسلم اما واللہ لوشئتم قلتم فلصدقتم ولصدقتم! اتینا مکذبا فصدقناک ومخذولاً فنصرناک، وطریداً فاویناک، و عائلاً فاسیناک.

تم مجھے جواب دے سکتے ہو! انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم کیا جواب دیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہم پر احسان اور فضل ہے۔ فرمایا: تم چاہو تو کہہ سکتے ہو۔ ''اے محمد ﷺ جب آپ کو لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ آپ کو لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے آپ کو پناہ دی۔ آپ ہمارے پاس مفلس ہو کر آئے تو ہم نے آپ کی غم خواری کی، فرمایا تم یہ کہو گے تو میں تمہاری تصدیق کروں گا۔

اب انصار مدینہ کے دل ہر طرح کے غبار سے صاف ہو گئے تھے اور ان کے سینے نور نبوت سے چمکنے لگ گئے تھے۔ اس لئے آپ نے آخری ضرب لگاتے ہوئے فرمایا:

اوجدتم بامعشر الانصار فی انفسم فی لعاعة من الدنیا تالفت بھا قوماً لیسلموا کلتکم الی اسلامکم الاترضون یا معشر الانصار ان یذھب الناس بالشاة والبعیر و ترجعوا برسول اللہ الیٰ رحالکم فوالذی نفس محمد بیدہ لولا الھجرة لکنت امرأمن الانصار ولوسلک الناس شعباً وسلکت الانصار شعباً لسلکت شعب الانصار، اللھم ارحم الانصار، وابناء الانصار و ابنا ابناء الانصار، (۲۳)

اے گروہ انصار تم نے دنیا کی تر و تازگی کے متعلق جس کے ذریعے میں نے کچھ لوگوں کے دلوں کو اسلام کے لئے نرم کیا ہے، اور تمہارے لئے اسلام کو کافی سمجھا ہے، اپنے دلوں میں شکایت پیدا کی ہے، (حالانکہ میں نے تمہیں اس سے بڑی نعمت یعنی اسلام عطا کیا ہے) اے گروہ انصار! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اللہ تعالیٰ کے

رسول کو اپنے گھروں میں لے جاؤ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار مدینہ ہی کا ایک فرد ہوتا، اور اگر لوگ کسی گھاٹی سے چلیں اور انصار کسی اور گھاٹی سے چلیں تو میں انصار کی گھاٹی میں ان کے ساتھ چلوں گا۔ اے اللہ انصار مدینہ ان کے بال بچوں اور ان کی اگلی نسل پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔

معروف سیرت نگار ابن ہشام نے لکھا ہے:

فبکی القوم حتی اخضلوا لحاھم

آپ کا یہ خطبہ سن کر لوگ رو رہے تھے حتی کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئی تھیں،

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاریخی خطبہ اپنی اثر آفرینی، اپنے موضوعات کی اہمیت اور اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد کو پیش کرنے کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔

اس خطبے کے حوالے سے چند امور کی وضاحت مناسب ہوگی۔

۱۔ یہاں سب سے پہلا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ یہ مال جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ میں تقسیم کیا۔ مال غنیمت تھا یا مال فئے، مال غنیمت ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تقسیم کا ایک اصول اور ایک ضابطہ مقرر کیا گیا ہے، اس ضابطے کی رو سے پانچواں حصہ (خمس) تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول یعنی اسلامی ریاست کا ہے۔ (۲۴) اور باقی چار حصے مسلمان مجاہدین میں اس ترتیب سے تقسیم کئے جاتے ہیں کہ سوار کو پیادہ کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملتا ہے۔ جب کہ مال فئے ہونے کی صورت میں، سورۃ الحشر میں اعلان کردہ ضابطے کے مطابق۔ (۲۵) یہ تمام کا تمام مال اسلامی ریاست کا تصور ہوتا ہے اور حاکم اعلیٰ اپنی صوابدید کے مطابق ایسے مال کی تقسیم کرتا ہے۔

اکثر سیرت نگاروں نے اس مال کو مال فئے ہی قرار دیا ہے، چنانچہ ابن ہشام نے اس موقع پر لوگوں کی طرف سے یہ مطالبہ نقل کیا ہے:

اقسم علینا فیئنا من الابل والغنم. (۲۶)

یا رسول اللہ ﷺ ہمارا مال فئے ہم میں تقسیم کر دیجئے۔

مال فے کی قرآن حکیم میں یہ تعریف کی گئی ہے کہ

> اور جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے لڑائی کے بغیر دیا ہے۔اس میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ اس کے لئے تم نے نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔(۲۵)

یہاں بھی یہ تعریف اس طرح صادق آتی ہے کہ یہ اموال مسلمانوں کو بلا کسی اضافی محنت اور مشقت کے حاصل ہو گئے تھے،اور پھر جب ہوازن کے لوگ آپ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے اس بات کو قبول کر لیا کہ ان کے مال مویشی تقسیم کر دیئے جائیں۔البتہ ان کے بیوی بچوں کو انہیں واپس کر دیا جائے۔ایسی صورت (۲۶) میں ان اموال کی تقسیم تمام تر حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر تھی اور آپ نے اپنی صوابدید کا استعمال اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے فرمایا۔اس صورت میں یہ بات بھی قابل فہم ہو جاتی ہے کہ انصار مدینہ کو مال غنیمت سے مکمل طور پر محروم رکھا گیا۔اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مال کی تقسیم کے متعلق ہر طرح کے اختیارات حاصل تھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بنو ہوازن کے اموال غنیمت کا سٹیٹس مال غنیمت والا ہی سمجھا جائے۔ چنانچہ اس مال غنیمت میں سے چار حصے تو، قاعدۂ تقسیم کے مطابق ہی مجاہدین میں تقسیم کئے گئے تھے۔مگر چونکہ خمس یا پانچواں حصہ اسلامی ریاست کا استحقاق ہے۔بنو ہوازن کے مال غنیمت میں خمس تقریباً ۴۸ ہزار اونٹ اور ۸ ہزار بکریاں قرار پاتا ہے، جو اس میں اسلامی ریاست کا حصہ تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پانچواں حصہ یا خمس قریش مکہ اور قبائلی سرداروں میں تقسیم کیا تھا۔جس کا آپ کو پورا پورا حق تھا۔تاہم آپ نے انصار مدینہ کو اس بنا پر کہ وہ قدیم الاسلام ہیں اور وہ اسلام پر پوری طرح ثابت قدم ہیں، خمس میں سے کچھ نہیں دیا تھا۔جس سے کچھ لوگوں کو شکایت پیدا ہوئی۔خاص طور پر اس لئے کہ ان میں سے بیشتر لوگ ایسے اسلام دشمنوں میں شامل تھے، جن کے ساتھ انصار مدینہ نے اسلام کی حمایت میں کئی جنگیں لڑی تھیں، انہوں نے جب دربار رسالت سے یوں انعام و اکرام سے نوازے جاتے ہوئے دیکھا تو انہیں یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے اس کا برملا اظہار کر دیا۔

۲۔یہاں دوسرا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ انصار مدینہ کو یہ شکایت اسلامی ریاست کے سربراہ کے طور پر آپ سے پیدا ہوئی تھی، یا شکایت بطور نبی اور رسول کے تھی۔ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں ہی حیثیتیں تھیں، اور دونوں ہی قابل تعظیم و احترام تھیں، اور پھر چونکہ دونوں باتیں ایک ہی

ذات میں جمع تھیں، اس لئے دونوں کو الگ الگ کرنا ممکن نہ تھا۔ تاہم جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لئے آپ ﷺ کی دونوں حیثیتوں کا اعتبار کیا جاتا ہے اور ازواج مطہرات کی آپ سے ناراضگیوں اور رنجالفتوں کے واقعات کو خاوند کی حیثیت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس طرح یہاں بھی ان دونوں کا لحاظ ضروری ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت اس لئے بھی ضروری ہے کہ بحیثیت نبی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اقدام پر دلوں میں شکایت یا رنجش کے پیدا ہونے سے ایمان سلب ہو جاتا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جانثاروں کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بحیثیت نبی اور رسول کے کبھی کوئی شکایت پیدا ہوئی ہو۔

اسی طرح آپ کی سربراہ ریاست کی حیثیت بھی اتنی ہی قابل ادب واحترام تھی، جتنی نبوت اور رسالت کی آپ کی حیثیت تھی، لیکن چونکہ اس کا تعلق کسی نہ کسی درجے میں انتظامی امور سے ہونے کی بنا پر دنیوی معاملات سے بھی تھا اور دنیوی معاملات میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ کہہ کر اختلاف کی اجازت دے دی تھی،

انتم اعلم بامور دنیاکم

تم لوگ اپنے دنیوی معاملات کو مجھ سے بہتر جانتے ہو۔

اس پس منظر میں انصاری صحابہ کی طرف سے اس شکایت کو آپ سے سربراہ حکومت کی حیثیت سے منسوب کیا جاسکتا ہے، اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے اس قول کی بنا پر انصار مدینہ کو اسلام سے خارج قرار نہیں دیا اور نہ ہی انہیں اس سے توبہ کرنے کا حکم دیا، اور اگر معاملہ برعکس ہوتا تو ایسا کرنا ضروری ہو جاتا۔

۳۔ اس خطبہ مبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اس بات پر زور دیا کہ انصار مدینہ کا آپ پر اور اسلام پر جو احسان ہے، اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے، لیکن آپ نے انہیں یہ بھی جتلا دیا کہ آپ ﷺ کی ذات سے انہیں جو نفع پہنچا ہے وہ ان کے کئے ہوئے احسان سے بہت زیادہ وقیع ہے، انصار مدینہ نے جو قربانیاں دیں، وہ زیادہ تر مالی اور بدنی نوعیت کی تھیں اور یہ چیزیں ایسی ہیں جو وقتی اور حادثاتی قسم کی ہیں، آج ہیں تو کل نہ ہوں گی۔ کل ہیں تو پرسوں نہیں ہوں گی۔ لیکن اسلام نے ان پر جو احسان کیا اور انہیں

ظلمت و گمراہی کے جن گڑھوں سے نکالا اور انہیں جن ابدی اور دائمی خوشیوں سے ہم کنار کیا، یہ احسان ایسا ہے کہ جس کی کسی طرح بھی تلافی ممکن نہیں، اس لئے نبی اکرم نے ان کو یہ بتا دیا کہ اللہ کی طرف سے ان کے احسانوں کی ایک طرح سے دنیا میں ہی تلافی کر دی گئی اور ان کو ان کے وقتی اور فانی احسان کے بدلے میں ایسی لافانی، ابدی اور دائمی نعمتوں سے نوازا گیا ہے جو کبھی فنا ہوں گی اور نہ کبھی ختم ہوں گی اور جن کو کسی آلے کی مدد سے نہ تو ماپا جا سکتا ہے اور نہ ان کی قدر و منزلت کا کوئی تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس اہم اور بنیادی نکتہ کی وضاحت کے ساتھ خطیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بھی باور کرایا کہ اگر دنیوی مال و دولت کا ہی اعتبار کیا جائے تو تب بھی وہ خسارے میں نہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے قبیلۂ قریش کے نومسلموں کو چند جانوروں، مال غنیمت کے چند سکوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔ لیکن ذرا انصار مدینہ سوچیں کہ انہیں کیا کچھ دیا جا رہا ہے۔ ان کی خوش بختی اور خوش قسمتی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ انہیں اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی وجہ سے جو عزت ملی کوئی نعمت اس کا نعم البدل ہو سکتی ہے، اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ جب مختلف قبیلوں کے لوگ مال غنیمت کو ہانکتے ہوئے لے جائیں گے تو انصار مدینہ کے پاس خود سرکار دو عالم ﷺ کی ذات ہوگی، اس سے بڑھ کر ان کی خوش بختی اور خوش قسمتی کیا ہو سکتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جینا مرنا، اپنا اٹھنا بیٹھنا انصار مدینہ کے ساتھ کر دیا ہے۔ اور اپنے آبائی وطن اور اپنے بزرگوں کے شہر کو خیرباد کہہ دیا ہے حالانکہ فتح مکہ کے بعد بظاہر آپ ﷺ کے لئے مکہ مکرمہ میں آباد ہونے کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تھی۔ آپ ﷺ کے جد امجد حضرت ابراہیم کا آباد کیا ہوا شہر ہر طرح سے آپ ﷺ کے لئے موزوں اور مناسب تھا، اور حالات بھی سازگار تھے، لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ سے جو وعدہ کیا تھا آپ ﷺ نے اپنے وصال مبارک تک اسے نبھایا اور اسے پورا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، اور یہ موقع تھا جب یہ فیصلہ کن گھڑی سامنے آئی کہ آپ نے اپنے بزرگوں کا شہر آباد کرنا ہے یا اپنا یا دارالہجرۃ، جہاں آپ ﷺ نے مصیبت کے وقت پناہ لی تھی۔ آپ نے انصار مدینہ کو یہ خوشخبری سنائی کہ آج جب لوگ مال غنیمت لے کر جائیں گے تو تم سردار انبیا علیہ السلام کو اپنے جلو میں لے کر جاؤ گے۔ لہٰذا تم سے بڑھ کر خوش قسمت و خوش بخت کون ہوگا۔

یہ باتیں آنحضور ﷺ نے جس انداز بیان اور جس اسلوب ادا کے ذریعے ارشاد فرمائیں، وہ اتنا بلیغ اور موثر تھا کہ انصار مدینہ کی ہچکیاں بندھ گئیں اور ان کے آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں، وہ حضور ﷺ کے ہر لفظ کی چبھن اپنے دلوں میں محسوس کر رہے تھے، انہیں اپنی غلطیوں کا بھی احساس ہوا اور

اپنی ذمہ داریوں کا بھی جو انہیں اسلام کی حمایت و مداخلت کے لئے مستقبل میں انجام دینا تھیں۔

۴۔ مستشرقین نے اس موقع پر حسب معمول زہر گھولنے کی کوشش کی ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم میں کمی بیشی سے انصار مدینہ بددل ہو گئے تھے، اور ان میں مایوسی پھیل گئی تھی، لیکن تاریخی صداقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اس خطبہ مبارکہ کے بعد جو آپ نے انصار مدینہ کے سامنے دیا اس قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد کے واقعات میں انصار مدینہ کا وہی جذبہ اور وہی ولولہ نظر آتا ہے جو اس سے پہلے تھا، اگر واقعی کوئی بددلی یا مایوسی پھیلی ہوتی تو اس واقعے کے بعد والے غزوات میں انصار مدینہ کی ایسی بھرپور شرکت نظر نہ آتی جو کہ امر واقعہ ہے۔ اس لئے مستشرقین کا یہ قول تاریخی جھوٹ کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ مبارک آپ کی نفسیات دانی کا بھی بہت بڑا ثبوت ہے۔ انبیاء علیہم السلام دنیوی علوم سیکھنے کے لئے کسی درس گاہ یا کسی استاد سے وابستگی کے محتاج نہیں ہوتے۔ خود قدرت انہیں مختلف علوم و فنون کی فیض رسانی کرتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو بھی تمام انسانی اور ملاء اعلیٰ کے علوم کی بہم رسانی اسی طریقے پر کی گئی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کے مختلف ادوار میں جس طرح انسانی نفسیات کا لحاظ رکھا اور جس طرح اس کے فطری اور اعلیٰ اصولوں کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اسلام کے فروغ و استحکام کے لئے استعمال کیا، تاریخ عالم میں اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔

اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے الفاظ سے انصار مدینہ کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی اور ان کے دل کے نہاں خانوں میں جو باتیں موجود تھیں، اور جن کے ذریعے شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر سکتا تھا، ان کا آپ نے خود ان کی طرف سے اظہار کر کے جس عمدہ اور نفیس انداز میں رد پیش کیا، اس نے انصار مدینہ کے دلوں کو ہر طرح کے شکوک و شبہات سے پاک و صاف کر دیا۔

پھر اس خطبے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو انصار کا ایک فرد قرار دیا ہے، یہ انصار مدینہ سے آپ کی محبت کا ثبوت بھی ہے اور اپنے ''دار الہجرۃ'' سے آپ کے تعلق خاطر کی دلیل بھی۔ آپ نے اس خطبے کے آخر میں انصار مدینہ، ان کے بچوں اور ان کی آنے والی نسلوں کے لئے دعا بھی فرمائی، جو انصار مدینہ کے لئے بہت بڑا اعزاز بھی ہے اور نفسیاتی طریقے پر اس کی قلبی اصلاح بھی۔

اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاکیزہ خطبہ آپ ﷺ کی خطیبانہ بلاغت و فصاحت

کے ساتھ ساتھ آپ کی نفسیات دانی اور دوسروں کے دلوں میں مؤثر طور پر اپنی بات پہنچانے الفاظ و کلمات پر حاکمانہ تصرف و قدرت حاصل ہونے، اپنے جانثاروں کی قدر دانی وغیرہ کے پہلوؤں سے سیرت طیبہ کا ایک یادگار خطبہ ہے۔

حواشی

۱۔ البخاری/ کتاب المناقب، باب ۲۴/ ج ۶، ص ۵۷۹

۲۔ سورۃ المائدہ، آیت ۶۶، ۹۹

۳۔ سورۃ طٰہٰ، آیت ۲۹، ۳۰،

۴۔ سورۃ طٰہٰ، آیت ۳۶

۵۔ سورۃ الانشراح، آیت ۳۔

۶۔ سورۃ الانشراح، آیت ۱، ۲

۷۔ دیکھئے، محمد ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری/ ج ۱۰، ص ۲۹۰، ۲۹۱، مطبوعہ دہلی۔

۸۔ سورۃ طٰہٰ، آیت ۲۹، ۳۰

۹۔ دیکھئے ابن ہشام السیرۃ النبویہ، طبع مصطفیٰ السقاء، ابراہیم الابیاری، عبد الحفیظ شلبی، بیروت (بدون تاریخ)/ ج ۱، ص ۲۳۶۔

۱۰۔ دیکھئے۔ ایضاً/ ج ۱، ص ۱۴۴، ۱۵۵۔

۱۱۔ دیکھئے ہوازن، بذیل مقالہ در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، بذیل مادہ ہوازن۔

۱۲۔ السہیلی، الروض الانف، / ج۔ بذیل رضاعۃ۔

۱۳۔ البخاری/ ج ۳، ص ۹۔

☆ کتاب فضائل القرآن/ باب ۱/ ص ۶۶ حدیث ۴۹۸۱

☆ مسلم/ کتاب الایمان، باب (۷۰) حدیث ۱۵۲/ ج ۱، ص ۱۳۴

۱۴۔ الترمذی/ کتاب المناقب باب (۱)، حدیث ۳۶۱۳/ ج ۵، ص ۵۸۶،

۱۵۔ دیکھئے، الروض الانف

۱۶۔ ابن ہشام/ السیرۃ

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ طبقات ابن سعد مغازی/ ص ۱۱۰

۱۹۔ ابن ہشام/ السیرۃ/ ج ۴، ص ۴۹۱، ۴۹۳

۲۰۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۴۹۳

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ابن ہشام/ ج ۴، ص ۴۹۸، ۴۹۹

اردو زبان کا حوالہ جاتی مجلّہ

اردو بک ریویو نئی دہلی

مدیر: عارف اقبال

۱۷۳۹/۳، نیو کوہ نور ہوٹل، پٹودی ہاؤس، دریا گنج

نئی دہلی: ۱۱۰۰۰۲